اُموی دَور کی عربی شاعری اور اس کی خصوصیات

محمد صلاح الدین عمری (ریسرچ اسکالر)
۶۵ محمد حبیب ہال - علی گڈھ مسلم یونیورسٹی - علی گڈھ

شاعری ان فنونِ لطیفہ کی ایک قسم ہے جس کو اہلِ عرب نے ادب عالیہ کا نام دیا ہے اور جس میں شعر کے علاوہ موسیقی، مصوری اور نقاشی بھی شامل ہے شعر کی موزوں ترین تعریف یہ ہوگی کہ :

"یہ وہ موزوں اور مقفّٰی کلام ہے جو دل کی گہرائیوں سے نکلے اور انسان کے جذبات و احساسات کو بھڑکا دے"۔

زمانۂ قدیم سے ہی عربوں میں خطیب و شاعر کو ایک امتیازی مقام حاصل تھا، ان کے معاشرہ میں شاعر کو اتنی اہمیت اور رسوخ حاصل تھا کہ محض ایک شعر کے کہہ دینے سے قبیلوں کی عزتیں بن اور بگڑ جاتیں۔ وہ عرب کی قبائلی زندگی کے محافظ تھے۔ عربوں کی زندگی کے ہر گوشہ پر۔ خواہ وہ سیاسی ہو یا سماجی، بدوی ہو یا حضری شعراء کو اس حد تک دخل تھا کہ اگر یہ کہا جائے کہ عربوں پر شاعروں کا راج تھا تو بے جا نہ ہوگا۔ اسی لئے کہا گیا کہ "الشعر دیوان العرب" یعنی شاعری عربوں کی زندگی کا رجسٹر ہے۔

اسلام نے جب عربوں کی زندگی میں رچی بسی قبائلی عصبیت اور ان کی مزاجی خشونت کے خلاف

آواز بلند کی اور آپس میں اتفاق و اتحاد پیدا کرنے کے لئے ان فاسد اور بے بنیاد خیالات کے خلاف اعلانِ جنگ کیا تو لامحالہ طور پر شاعری پر کاری ضرب لگی کیونکہ شاعری ہی ان جذبات و خیالات کو برانگیختہ کرنے میں اہم رول ادا کرتی تھی شعراء کی ہمتیں پست ہونے لگیں کیونکہ قرآن کہہ رہا تھا:۔ "اَلشُّعَرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُنَ" اور "وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَهُ" یعنی شعراء کی اقتدا گمراہ لوگ کرتے ہیں۔ اور ہم نے اس (نبیؐ) کو شاعری نہیں سکھائی اور نہ شاعری اس کے شایانِ شان ہے۔ تمام اہل عرب اس عظیم اسلامی دعوت میں مشغول و مصروف ہو گئے۔

——کوئی اس دعوت کی مخالفت پر کمربستہ تھا اور کوئی اس کی موافقت کا دم بھر رہا تھا۔ کفارِ قریش اور اصحابِ رسول میں سخت قسم کی بحث چھڑ گئی اور قریشیوں نے اس تحریک اسلامی کے خلاف ہر حربہ استعمال کرنا شروع کر دیا، اس ضمن میں زبان و ادب کا استعمال بھی خوب خوب کرنے لگے۔ قریشی شعراء میں جنہوں نے اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا عمرو بن العاص، ابوسفیان اور عبد اللہ بن الزبعری قابل ذکر ہیں، انھوں نے اسلام اور اس کے متعلقین کی سخت ہجو کی جس سے مسلم شعراء کے جذبات شاعری بھی بھڑک اٹھے اور انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات کی اجازت طلب کی کہ آپ مخالف شعراء کا جواب اشعار میں دینے کی اجازت مرحمت فرمائیں۔ چنانچہ دربارِ رسالت سے ان کو اجازت مل گئی اور قریشی شاعروں کے مقابلہ کے لئے ایک جماعت ادھر سے بھی تیار ہو گئی جس میں حضرت کعبؓ بن مالک حضرت عبد اللہؓ بن رواحہ اور حضرت حسانؓ بن ثابت آگے آگے تھے۔ اس مقابلے کی شاعری کا انداز اگرچہ بالکل جاہلی شاعری کا سا تھا جس میں حسب و نسب پر فخر اور اپنے پچھلے کارناموں اور برتری کا تذکرہ ہوتا۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ آہستہ آہستہ جاہلی شاعری کا یہ اثر زائل ہوتا رہا کیونکہ اسلام عربوں کی زندگی کے پورے ڈھانچہ کو ہی بدل ڈالتا ہے اب ان کی خوبیاں، خامیوں میں شمار ہونے لگی تھیں۔ چنانچہ شاعری میں بھی نسبتاً ایک شائستگی اور شستگی پیدا ہو چلی تھی۔

اسلام دراصل شاعری کی اس قسم کا مخالف تھا جو قوموں کے منفی جذبات کو برانگیختہ کرتی اور اتفاق واتحاد کے پرخچے اڑاتی ہے چنانچہ جب تحریک اسلامی کو عروج ہوا مسلمان قرآن و حدیث کی تعلیم و تعلم اور جہاد میں مصروف ہوگئے، پھر اس کے بعد جب عرب، فتوحات میں منہمک ہوگئے تو سماج سے شاعری کا تسلط البتہ ختم ہوگیا، خلفاء راشدین کی شعراء اور منفی جذبات کو ابھارنے والی شاعری کے خلاف سخت تادیبی کارروائی نے بھی اس کے زور کو توڑا۔ یہ کہنا کہ یہ دور شاعری سے بالکل خالی ہے یا اس دور نے شاعری سے متعصبانہ رویہ اختیار کیا، کسی حد تک غلط ہے۔ بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ اسلام جس نے سارے معاشرے کو ہی بدل ڈالا تھا، اس نے شاعری اور شعراء پر ایجابی اور سلبی دونوں گوشوں سے اپنے اثرات چھوڑے ہیں۔ ایک طرف تو اسلامی اور اخلاقی تعلیمات پر مشتمل اشعار، شجاعت و بہادری کے جذبات ابھارنے والے اشعار اور مذہبی اقدار کی اشاعت کرنے والے اشعار کہنے والے شعراء کی ہمت افزائی کی تو دوسری طرف جھوٹی تعریف، فحش غزلیہ اشعار، مبتذل ہجو اور منفی جذبات و احساسات کو ہوا دینے والے اشعار پر سخت پابندی لگادی۔

ڈاکٹر عمر فروخ اپنی کتاب المنهاج فی الادب العربی وتاریخه میں لکھتے ہیں :-

" یہ بات غور طلب ہے کہ مخضرمین کے ادب میں جاہلی اغراض و معانی کی جگہ اسلامی اغراض و معانی داخل ہوگئے تھے لیکن اسلوب شاعری جاہلی ہی رہا۔" (ظاہر ہے اسلوب کو بدلنے میں وقت لگتا ہے) آگے چل کر وہ لکھتے ہیں کہ: " اس طرح اس دور میں شاعری کا رواج کم ہوگیا البتہ نثری ادب نے ترقی کی، نیز خطابت بھی عروج پر تھی۔ شاعری کا رواج مندرجہ ذیل اسباب کی بنا پر کم ہوگیا۔"

" اول تو یہ کہ اس دور میں شعراء نے شاعری کو صرف مدح تک محدود کر دیا تاکہ اپنی روزی روٹی کا سامان مہیا کر سکیں۔ ابن رشیق نے کہا ہے کہ " ابتداء میں شاعر کی قدر و منزلت خطیب سے

سے زیادہ ہوا کرتی تھی کیونکہ عرب اپنے اشعار میں اپنے قبائل کے فخریہ کارنامے اور بہادری کی داستانیں محفوظ کیا کرتے تھے... لیکن جب انھوں نے شاعری کو روزی روٹی کا ذریعہ بنالیا اور اس کے ذریعہ کمائی کرنے لگے تو خطابت شاعری پر غالب آگئی۔

دوسرے یہ کہ شعراء کا وہ طبقہ جو شرک پر قائم رہا تھا (مثلاً عبد اللہ بن الزبعری، کعب بن زھیر اور ابوسفیان بن الحارث) اس نے رسول اللہؐ کی ہجو کی تو آپ نے ان کے اشعار کی روایت کرنے سے منع کر دیا اور ان پر لعنت کی۔ (جمھرۃ اشعار العرب)۔

تیسرے یہ کہ شعراء کے ایک طبقہ نے مخالف قبائل کی ہجو کر کے حسد کی آگ کو بھڑکانا اور غزلیہ شاعری میں فحشیات کا استعمال کر کے افراد و خاندانوں میں بغض و عناد کو ہوا دینا شروع کر دیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدینؓ نے ان دونوں فنون پر شاعری کرنے سے منع فرمادیا۔

چوتھے یہ کہ عرب قرآن کی بلاغت سے مبہوت ہو کر رہ گئے تھے اور ان کے قلوب اسلامی عقائد اور اس کے آداب سے بھر گئے تھے، پھر فتوحات نے بھی ان کو مشغول رکھا تھا۔

ان سب باتوں نے ان میں سے بیشتر کو شاعری کرنے اور اس کی روایت سے روک دیا۔

غور طلب امر یہ ہے کہ صدر اول بعثت رسول سے شروع ہو کر حضرت علیؓ کی شہادت پر ختم ہو جاتا ہے۔ اس قلیل عرصہ میں جو کچھ بھی اور جیسی کچھ بھی شاعری کی گئی وہ عہد جاہلیت اور اموی دور کی شاعری کے مقابلہ میں کہیں زیادہ اور بہتر ہے۔ دراصل اس دور کے بہت سے شعراء یا تو دور جاہلیت اور صدر اسلام میں تھے یا صدر اسلام اور اموی دور میں۔ چنانچہ بیشتر شعراء کو یا تو جاہلی دور کے شعراء میں شمار کیا گیا اور یا اموی دور کے شعراء میں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ صدر اسلام کے لئے بہت کم شعراء باقی رہے۔ پھر بھی اس دور کی شاعری کے موضوعات میں ہم کو نمایاں تبدیلی محسوس ہوتی ہے۔ تغزل و تشبیب، عیش و عشرت اور شباب و شراب کا تذکرہ شاعری میں کم ہوتا چلا گیا۔ اسلام کی نئی تہذیب کے اثرات مخضرمین کی شاعری میں نمایاں طور پر محسوس کیے جاسکتے ہیں۔

فکر، عقائد اور نظامِ زندگی میں تبدیلی ایک اہم حیثیت رکھتی ہے جو اسلامی شاعری میں ہوئی۔ اس کے علاوہ نئی نئی اصطلاحات و موضوعات کا اضافہ ہوا۔ اسلام نے عربوں کے معاشرتی نظام کی افراط و تفریط سے ہٹ کر ایک معتدل راہ اختیار کرتے ہوئے جو مثالی معاشرہ تشکیل دیا تھا اور اس کے نتیجہ میں اسلامی اور قبائلی نظام میں جو کشمکش اور ٹکراؤ کی کیفیت پیدا ہوئی تھی، ان سب کی عکاسی اس دور کی شاعری سے ہوتی ہے۔

اموی دور کو دورِ عصبیت کہنا بجا ہوگا کیونکہ سیاست، دین، قبائلی اور قومی تعصبات نے مسلمانوں کو فرقوں اور گروہوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ خوارج، شیعہ، زبیری، اموی اور موالی کی مشہور سیاسی جماعتیں آپس میں ایک دوسرے سے برسرِ پیکار تھیں۔ ان میں سے ہر فرقہ اور جماعت کے اپنے افکار اور نظریات تھے، ہر فرقہ کے شعراء اپنے افکار و نظریات کی اشاعت و تبلیغ کرتے، اپنی جماعت کی دعوت کو فروغ دیتے اور اس کی مکمل حمایت کرتے تھے۔

اس عصبیت کے پیچھے دراصل جاہلی افکار و خیالات ہی کارفرما تھے جو اندر ہی اندر چنگاری کی طرح سلگتے رہتے اور موقع ملتے ہی گاہے بگاہے بھڑک اٹھتے تھے۔ عہدِ جاہلیت میں قبائلی انساب کی بنا پر تھی، اسلام نے اس عصبیت کو ختم کر کے تمام عرب کو ہار کے مانند متحد کر دیا تھا۔ قبائلی عصبیت کی یہ چنگاری حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ کے دور میں ان کے حسنِ انتظام، عدل و انصاف اور عربوں کے جہاد و فتوحات میں مشغولیت کی بنا پر دبی رہی لیکن جوں ہی زمامِ خلافت حضرت عثمانؓ کے ہاتھوں میں آئی، یہ چنگاری بھڑک اٹھی اور اس میں بلند و بالا شعلے اٹھنے لگے چنانچہ ایک فتنۂ عظیم برپا ہو گیا جس میں حضرت عثمانؓ کی شہادت سے ہی پانی پڑ سکا۔ پھر فوراً ہی حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ میں ایک نیا جھگڑا اٹھ کھڑا ہوا اور جنگِ صفین کا المناک واقعہ رونما ہوا، حضرت علیؓ کی شہادت ہوئی اور نظامِ حکومت میں انتشار برپا ہو گیا، اتحادِ اسلامی پارہ پارہ ہونے لگا۔ عرب مسلمان جو اب تک دشمنوں سے برسرِ پیکار تھے اب ان کے جوہر اپنے

ہی بھائیوں کے خلاف استعمال ہونے لگے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ پر مسلمانوں کی جو تلوار اٹھی تو آج تک اٹھ رہی ہے۔ اس شرمناک واقعہ کے بعد سے آج تک ایسا کوئی ثبوت نہیں ملتا کہ مسلم قوم ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو سکی ہو، چنانچہ عرب کئی گروہوں اور جماعتوں میں تقسیم ہو گئے۔ شام میں بنو امیہ کے پیروکار ان کے لئے حکومت کا مطالبہ کر رہے تھے، حجاز میں حضرت زبیر بن العوام کے حامی، ان کے دعوی کی تائید میں آوازیں بلند کر رہے تھے، حجاز و عراق میں ان کے حامیوں نے حضرت علیؓ کی خلافت ماننے سے انکار کر دیا تھا۔ عراق میں حضرت علیؓ کے حامی ان کو خلافت کا جائز حقدار قرار دے رہے تھے۔ جمہوریت کا ایک علم بردار فرقہ خوارج کا تھا جو تمام فرقوں کا مخالف اور تمام دعویداروں کو ملزم قرار دے رہا تھا۔ ایک جماعت مرجئہ کے نام سے تھی جو عملی طور پر اس سیاست میں کوئی حصہ نہیں لے رہی تھی اور ان تمام فساد برپا کرنے والوں کا فیصلہ خدا کے سپرد کیے ہوئے تھی۔

حضرت معاویہؓ نے زمام حکومت سنبھالنے کے بعد انعام و اکرام بخشش و درگزر اور اپنی فطری حسن تدبیر سے کام لیا جس کی وجہ سے ان کی زندگی میں حکومت بہت منظم اور مستحکم طور پر چلتی رہی۔ البتہ کسی کسی مقام پر خوارج نے بدنظمی پھیلانے کی کوششیں کیں جن کو حسن تدبیر سے دبا دیا گیا۔ حضرت معاویہؓ کے انتقال کے بعد پھر بدنظمی ابھری لیکن مروان اور اس کے بیٹے عبدالملک (جس کو اس کی غیر معمولی استعداد اور سلطنت میں وسعت پیدا کرنے کی وجہ سے ابوالملوک بھی کہتے ہیں) نے حکومت کی باگ ڈور سنبھالنے کے بعد اس کو پھر منظم و مستحکم کیا اور جھگڑوں کو کسی حد تک ختم کر دیا۔ غرضکہ عربوں کا دائرۂ اقتدار وسیع سے وسیع تر ہوتا گیا اور فتوحات سے حاصل شدہ مال و دولت کی فراوانی ہوتی گئی۔ اب عرب اپنی زندگی کے اس دور میں داخل ہو رہے تھے جب قومیں اطمینان و سکون کی بود و باش اختیار کر کے عیش و عشرت اور جاہ و مرتبہ کی زندگی گذارنا شروع کر دیتی ہیں۔ انھیں اسباب

کی بنا پر عربی ادب بھی اپنے عروج کی منزلوں میں داخل ہو رہا تھا شاعری بھی ان سازگار حالات سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکی۔ بلکہ درحقیقت شاعری ہی ان تمام فتنوں میں مزید اشتعال پیدا کر رہی تھی۔ سیاسی کے ذریعہ شعراء اپنے اپنے فرقوں کے نظریات و افکار کی اشاعت و تبلیغ کرتے اور اپنی برتری ثابت کرنے کی کوشش کرتے۔ برسرِ اقتدار پارٹی نے مال و دولت سے شعراء کو نواز کر اپنا ہمنوا بنانا شروع کر دیا اور شعراء کے آپس میں مقابلہ و مباحثہ کی بنیاد بھی ڈال دی۔

مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ، عہد بنو امیہ سے قبل ہی مراکز شاعری کی حیثیت سے کافی ترقی کر چکے تھے۔ مدینہ کی سیاسی اہمیت تو اسی وقت ختم ہو گئی تھی جس وقت حضرت علیؓ کے دور میں دارالخلافت کوفہ منتقل ہوا، پھر حضرت امیر معاویہؓ کے زمانہ میں دمشق کو دارالسلطنت قرار دیا گیا۔ امراءِ بنو امیہ نے اپنے سیاسی مصالح کی بنا پر یہاں کے باشندوں کو ہر قسم کا آرام و آسائش مہیا کر رکھا تھا۔ ان کی مرفہ الحالی کے اسباب، وہ قیمتی مال و متاع اور غلام و کنیزیں بھی تھیں جو انھوں نے اپنے بزرگوں سے ورثہ میں پائی تھیں۔ حارث نجود اپنی کتاب 'ادب العرب' میں لکھتے ہیں:

"حجاز مندرجہ ذیل دو متضاد چیزوں کا گڑھ تھا (۱) نسک و تقوی، علوم دینیہ کے درس و تدریس کی لگن اور (۲) دوسرے وہ تفنن اور تفریحی مشاغل کا بھی گھر تھا کیونکہ یہاں کے باشندے قریش و انصار کے معزز گھرانے تھے جو دولت اور فارغ البالی میں اپنی مثال آپ تھے۔"

ان کو وقت کی ہر آسائش مہیا تھی، بڑی سے بڑی ضرورت چشم زدن میں پوری ہو سکتی تھی۔ جس کا اندازہ صرف اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ حضرت زبیر بن العوام نے اپنے بعد بھی ایک ہزار غلام اور باندیاں چھوڑیں۔ یہ ساری کی ساری آسائشیں جہاں ان کو ان کے آبا و اجداد سے حاصل شدہ مال و دولت کی وجہ سے میسر ہوئی تھیں وہاں بنو امیہ نے ان کو محض ان کی توجہ خلافت سے ہٹانے کے لئے بے پناہ دولت سے مالا مال کر دیا تھا۔ چنانچہ یہی ہوا بھی۔ اہلِ حجاز انواع و اقسام کی لذیذ غذاؤں سے دل بہلاتے، زرق برق قیمتی ملبوسات زیب تن کرتے،

بہترین اور اعلیٰ درجہ کی خوشبوؤں اور عطروں کا استعمال کرتے خصوصاً ان کی خواتین مرصّع زیورات سے آراستہ و پیراستہ رہتیں۔ (شوقی ضیف تاریخ الادب العربی العصر الاسلامی)

مال و دولت کی فراوانی اور اہلِ حجاز کی طبعی خوش مذاقی، نزاکتِ احساس اور ظرافت طبع کے سبب ان کا رجحان تفنن اور تفریحی مشاغل کی طرف بڑھنے لگا۔ مکہ میں ایک تفریح گاہ کا قیام عمل میں آیا جس میں شطرنج، چوسر، نرد اور قصہ خوانی سے تفریح کی جاتی۔ مدینہ منورہ میں رومی اور ایرانی کنیزیں آتیں اور اپنے فن کا مظاہرہ کرتیں۔ اچھے گانے والے عربی نغموں کے ساتھ فارسی نغموں کی طرف بھی متوجہ ہوئے۔ روم جاکر موسیقی سیکھنے کی بھی روایت ملتی ہے۔ گانے والیاں، مدھم اور دلکش سروں میں ساز بجا بجا کر اپنے آقاؤں کو غزلیں سُناتیں اور وہ محفل میں ایک انداز تمکنت سے بیٹھے داد دیتے رہتے خوشبوئیں سلگائی جاتیں اور ذرا ذرا دیر کے بعد مشروبات کا دَور چلتا رہتا۔ ان دونوں شہروں میں ایسے لوگ کثرت سے آکر آباد ہو گئے تھے جن کو اس زمانہ کی سیاست سے کوئی دلچسپی نہیں تھی اور وہ یہاں اطمینان و سکون اور بے پروائی کی زندگی گزار رہے تھے۔ دولت کی فراوانی تھی اس لئے عیش و عشرت کے نت نئے انداز بھی جنم لے رہے تھے۔

عراق جو زمانۂ قدیم سے ہی عربوں کی تلاشِ معاش کا اہم مرکز تھا اور جہاں ایرانیوں نے مناذرہ کی حکومت قائم کی تھی۔ حضرت عمر کے دور میں جب اسے فتح کیا گیا تو وہاں خاصی تعداد میں عرب جمع ہو گئے اور انھوں نے کوفہ و بصرہ آباد کیا۔ عراق میں اگرچہ گذشتہ اقوام کے علم و ادب اور تہذیب و تمدن کا خاصا اثر تھا لیکن وہاں کے باشندے ایک ذہنیت اور ایک قوم کی حیثیت سے نہیں بلکہ متضاد خیالات کے حامل اور ایک دوسرے سے بے پرواہ تھے۔ جو عرب وہاں آباد ہوئے وہ بھی یمنی اور نزاری تعصبات میں مبتلا تھے۔ اسی عراق کی سرزمین میں جنگِ جمل اور حضرت علی رضؓ کی شہادت جیسے عظیم واقعات رونما ہوئے

جن کی وجہ سے اہلِ تشیع اور خوارج کا ظہور ہوا۔ بنو اُمیہ کی سخت مخالفت، بصریوں اور کوفیوں کا آپس میں شدید سیاسی اور علمی اختلافات میں ابتلاء ـــ عراقی شاعری اسی باہمی کشمکش اور منتشر انقلابی زندگی کی عکاسی کرتی ہے۔ قبائلی عصبیت، وطنی، مذہبی اور قومی تفرقے نئے انداز سے اُبھر کر سامنے آئے ہیں۔ فخر و ہجو کی کثرت ہے۔ اسلامی اثرات سے کہیں زیادہ بدویانہ اور جاہلانہ رجحانات پائے جاتے ہیں۔ ادب العرب میں عراق کے حالات کے سلسلہ میں لکھا ہے کہ :-

"چنانچہ وہاں کے ادب میں سیاسی اختلافات، جماعتی کشمکش، سیاسی خطبے اور سیاسی شاعری، قبائلی جھگڑوں اور افراد کی باہمی مناقشت پنپ رہی تھی۔ گویا کہ وہ زمانۂ جاہلیت میں زندگی گذار رہے ہوں۔ اس میں افراد و جماعات کی ہجو بھی تھی اور فخریہ و مدحیہ شاعری بھی"۔

شام کا علاقہ چونکہ بنو اُمیہ کا فرماں بردار اور مخلص تھا اس لئے وہ ذاتی جھگڑوں اور سیاسی انتشار سے محفوظ رہا۔ شام تو نہ حجاز کی طرح جذبات کی فراوانی میں غرق تھا اور نہ عراق کے مثل پراگندہ افکار کی کشمکش میں مبتلا تھا۔ نیز ایک اور وجہ یہ کہ یہاں سارے کے سارے یمنی قبائل آباد تھے جو شعر و شاعری میں مضری قبائل سے بہرحال کم درجہ کے تھے، اس لئے یہاں شاعری کا بیشتر سرمایہ حجاز و عراق کے شعراء کے ذریعہ ہی پہنچا۔

تاریخی اعتبار سے دیکھا جائے تو عہدِ بنو اُمیہ اور زمانۂ جاہلیت کے درمیان زیادہ طویل وقفہ نہیں ہے۔

دور اہم جنگوں اور معرکوں سے بھی پُر ہے جس کی وجہ سے معاشی اور معاشرتی زندگی گاہے بگاہے متاثر ہوتی رہی۔ پھر بھی اس دور میں علم و ادب کی ترقی کی بنیاد بہرحال پڑ گئی تھی اگرچہ اس کو تقویت عباسی دور میں ہی مل سکی۔ چنانچہ جب بربر، ایرانی، شامی اور قبطی وغیرہ اقوام حلقہ بگوش اسلام ہوئیں اور ہر مسلمان کا اختلاط بڑھا تو عرب اور غیر عرب کا تعصب بظاہر زائل ہو گیا اور ہر کلمہ گو، عرب کہا جانے لگا۔ عربوں کی غیر معمولی فتوحات، ان کا جزیرۂ عرب سے نکل کر غیر ممالک میں بغرض اشاعت دین پھیلنا، کسریٰ و قیصر کی حکومتوں

کو سرنگوں کرنا، مختلف اقوام سے باہمی اختلاط، متضاد تہذیبوں اور تمدنوں کے ٹکراؤ سے پیدا ہونے والا خاص تاثر، یہی اسباب تھے جنہوں نے عربوں کے مزاج و ذہن اور ان کے آداب و فنون پر گہرا اثر چھوڑا، عراق میں جو ایک قدیم متمدن ملک تھا اور جہاں مختلف عقائد و مزاج کی اقوام زندگی گذار رہی تھیں، انھوں نے کوفہ و بصرہ دو چھاؤنیاں بنائیں جو بعد میں نہایت بارونق شہروں میں تبدیل ہوگئیں۔ ایران کو جس کی قدیم زمانہ میں تہذیب و تمدن کے اعتبار سے ایک مسلم حیثیت تھی۔ فتح کیا اور شام پر جہاں اس وقت رومی تہذیب چھائی ہوئی تھی اور مذہبًا عیسائی تھا قبضہ جمایا جبکہ اس سے قبل شام میں کنعانی، مصری، یونانی فینیقی اور غسانی اپنی تہذیب و تمدن، عقائد اور طرز معاشرت کے گہرے نقوش چھوڑ گئے تھے، مصر فنون و آداب کا مرکز اور یونانی و رومی تمدنوں کا سنگم تھا جہاں مشرقی و مغربی فلسفے مل کر ایک ہو گئے تھے۔ انھیں عربوں نے جبل الطارق (اندلس) اور ماوراء النہر میں کاشغر تک سے تمام علاقوں کو زیر نگیں کر لیا تھا۔ ان تمام مفتوحہ علاقوں کے باشندے سامی، حامی اور آریہ نسلوں سے تعلق رکھتے تھے اور مختلف عقائد و مذاہب کے ماننے والے تھے اور ان کی زبانیں بھی مختلف تھیں۔ اگر ایک طرف اہل عرب نے فتوحات کے ذریعہ عملی طور پر ان کو سرنگوں کیا اور اپنی زبان و مذہب کی حیثیت سے ان پر غلبہ حاصل کیا تو دوسری طرف وہ خود عقلی و ذہنی اعتبار سے ان کے آداب و اطوار سے متاثر ہوئے۔ ان سے میل جول بڑھ کر شادی بیاہ کے تعلقات تک پہنچ گیا جنگی قیدیوں کو ساتھ رکھنے کے نتیجہ میں عربوں میں غیر ملکی تہذیب و تمدن اور طرز معاشرت آہستہ آہستہ سرایت کرنے لگا خصوصًا مختلف ممالک سے آنے والی کنیزوں کے ذریعہ ہر ملک کے معاشرے، عقائد و مذاہب اور تمدن کا رنگ عربوں کے فنون و آداب پر چڑھتا رہا۔

عراق میں بصرہ و کوفہ دو اہم علمی اور سیاسی مرکز اور ادبی معرکوں کا گڑھ بن گئے۔ اہل عرب نے یہاں اس طرح سے ادبی میلوں کا انعقاد کیا جس طرح سے جاہلی دور میں عکاظ وغیرہ منعقد

ہوتے تھے جن میں علماء، ادباء، شعراء، ماہرین لغت اور نحوی وغیرہ بحث ومباحثہ میں حصہ لیتے اور اپنی برتری اور ادبی قابلیت کا سکہ جمانے کی کوششیں کرتے۔ مربد بھی ایسا ہی ایک بازار تھا جو پہلے تو اونٹوں کی خرید وفروخت کی ایک منڈی تھی لیکن کچھ ہی عرصہ بعد مربد ایک محلہ کا نام ہو گیا اور اب اموی دور میں اس کو بالکل وہی حیثیت حاصل تھی جو دورِ جاہلیت میں عکاظ کو تھی۔ اس میں شعر وشاعری کا بازار گرم رہتا، منافست ومفاخرت پر بحثیں ہوتیں، ہر شاعر کا ایک مخصوص حلقہ تھا، ہر قبیلہ کی الگ محفل جمتی اور شعراء اپنے اپنے قبائل کی جانب سے فخریہ قصائد سناتے۔ جریر فرزدق، ذوالرمہ، ابوالنجم، العجاج سب کا الگ الگ حلقہ تھا، معززین شہر بھی مذاکرہ و مباحثہ میں حصہ لینے کے لئے مربد میں آتے۔ یہی حال کوفہ کا بھی تھا لیکن مربد کو جو ادبی، تجارتی اور سیاسی اہمیت حاصل تھی وہ کسی اور بازار کو نہیں تھی۔

خلفائے بنو امیہ میں حضرت معاویہؓ، عبدالملک بن مروان، اور ہشام بن عبدالملک ادباء اور علماء کو خصوصی انعامات واکرامات سے نوازتے رہتے، شعراء کی تنخواہیں بھی بیت المال سے مقرر تھیں مذکرہ بالا تینوں خلفاء بہت علم دوست اور فہم وفراست کے مالک تھے علم وادب کا خاصہ ہے کہ وہ جب ہی ترقی وبلندی کے مدارج طے کرتا ہے جب اعیانِ حکومت اس کی سرپرستی کرتے اور اس سے اپنا خصوصی تعلق قائم رکھتے ہیں۔ چنانچہ اس دور کا عام مذاق ادبی تھا ان میں اکثر اس بات پر بحثیں ہوا کرتیں کہ دورِ حاضر کے قابل ترین شعراء۔ جریر، اخطل اور فرزدق میں سے کون افضل ہے۔ اس بحث ومباحثہ میں امراء وخلفاء بھی حصہ لیتے۔ حجاج نے ابن قتیبہ کے پاس قاصد بھیج کر سوال کیا تھا کہ کون بہترین شاعر ہے(۱)۔ اس قسم کے سوالات کرنے کے لئے وہ شام سے عراق تک قاصد بھیجتے۔ بصرہ اور کوفہ میں تو ایک ادبی تحریک ہی چل پڑی تھی جہاں عرب دوسری متمدن اور مہذب اقوام سے گھل مل رہے تھے جس کے نتیجہ میں ایک دوسری تہذیب وثقافت جنم لے رہی تھی۔ مسلم

---

(۱) جرجی زیدان، تاریخ آداب اللغۃ العربیۃ ج ۱، ص ۲۳۳ بحوالہ المزہر ۲، ص ۲۴۔

علماء، تاریخ اور اشعار عرب کی تدوین میں مشغول تھے۔ انہی شہروں میں نحو اور دوسرے علوم کا جنم ہوا تھا، اب وہاں کی ادبی محفلوں میں خاصی رونق رہتی۔ اموی خلفاء و امراء کو فنون و آداب عربیہ کے فروغ و ترقی میں بھی خاص رغبت تھی۔ اکثر خلفاء خود ادیب و شاعر تھے خود حضرت معاویہؓ کو ادب اور شعر و شاعری سے خاص لگاؤ تھا۔

اس طرح ان تینوں علاقوں میں پہلی صدی ہجری کے وسط تک عربوں کی زندگی کی ایک مستقل تصویر سامنے آتی ہے جس کے خط و خال میں اسلامی شاعری، ہجویہ شاعری اور غزلیہ شاعری نمایاں نظر آتی ہے۔ اس دور کی شاعری میں نسبتاً استحکام پیدا ہوا نیز اس میں ایسے فنون کا اضافہ ہوا جو عربی شاعری میں اب تک معروف نہیں تھے۔

انسان کے اطوار و عادات اور اس کے جذبات و احساسات، اس کے ماحول کی عکاسی کرتے ہیں۔ اگر کسی ملک کے سیاسی، ثقافتی اور سماجی حالات میں انقلاب برپا ہوتا ہے تو یقیناً اس کا اثر انسان کے مزاج و فکر پر پڑتا ہے۔ یہی حال اس وقت عربوں کا تھا ان کے حالات، زمانۂ جاہلیت اور صدر اسلام کے حالات سے بدلے ہوئے تھے جس کا اثر ان کے نتائج فکر خصوصاً شاعری پر خاصا پڑ رہا تھا۔ چنانچہ اس دور کی خصوصیاتِ شاعری حسبِ ذیل ہیں:

ان کی شاعری غیر مانوس الفاظ سے مبرا تھی۔ اول تو اس لئے کہ عہد بنو امیہ، جاہلی زمانہ سے قریب تھا اور زمانۂ جاہلیت کے اثرات کا باقی رہنا کوئی تعجب خیز بات نہیں ہے دوسرے اس لئے کہ خلفائے بنو امیہ کو بدویت سے رغبت و تعلق بھی تھا۔ لہذا انھوں نے اپنے فنون و آداب میں جاہلی طرز کو برقرار رکھنے کی کوشش کی جس نے اموی شاعری میں دورِ جاہلیت کی بلاغت کو قائم رکھا اور اجنبی و رکیک کلام سے محفوظ رکھا ادھر ان کے سامنے قرآن و حدیث کا سلیس و بلیغ نمونہ بھی تھا جس سے متاثر ہو کر ان کی شاعری اجنبی تراکیب اور نامانوس کلام سے محفوظ ہو گئی اور ایک ایسا نمونہ سامنے آیا جو پوری طرح سے فصیح و بلیغ تھا۔

عہد جاہلیت میں شعراء اپنے قصائد کی ابتدا تشبیب سے کرتے جس میں شاعر اپنے جذبات شوق و عشق کی باتیں کرتا، محبوبہ یا منسوبہ کے علاوہ کسی غیر عورت سے تشبیب کے اشعار منسوب نہ کرتے اور اگر کرتے تو اشارۃً و کنایۃً کیونکہ عرب عورتوں کے سلسلہ میں بڑے غیور اور خوددار تھے اس لیئے جاہلی شعراء کے یہاں غیر محبوبہ سے تشبیب نادر ہے۔ سب سے پہلے محبوبہ یا بیوی کے علاوہ دوسری عورت سے اظہارِ عشق کی ابتداء امرا القیس نے کی ہے لیکن اموی دور میں عشقیہ شاعری جاہلی دور کی نسبت کہیں زیادہ کی گئی فطری بات ہے کہ اقوام جب بدویت سے حضارت کی طرف رجوع ہوتی ہیں اور جب ان کے یہاں فتوحات اور مال غنیمت (بشمول غلام اور باندیاں) کی فراوانی ہو جاتی ہے تو پھر اس کے افراد عیش و عشرت کی سرمستیوں میں کھو جاتے ہیں۔ یہی حال ان امویوں کا ہوا کہ ان میں تقریباً ہر شخص کو ہر جنگ میں کم از کم ایک باندی تو ضرور حصہ میں مل جاتی اور اکثر کئی کئی باندیاں حصہ میں آجاتیں۔ یہ باندیاں اکثر روم و فارس جیسے مہذب ملکوں کی ہوتیں۔ یہ مہذب اور شائستہ باندیاں اپنے ماحول اور تہذیب و ثقافت کی نمائندہ کی حیثیت سے ان کے درمیان زندگی گذارتیں جس کے نتیجہ میں یہاں کی تہذیب و ثقافت اور تمدنی معاشرت پر غیر ملکی اثرات نمایاں طور پر رونما ہوئے۔ انھیں خوبصورت باندیوں کی وجہ سے ان کے دلوں میں جذباتِ شوق بھڑکے اور ان کے مزاج میں غزلیہ مضامین کے لئے ایک بیداری پیدا ہوئی جس نے شاعری میں خوبصورت عورتوں سے تشبیب کا روپ دھارا۔ خلفائے راشدین رض اگرچہ اس چیز کو تہذیب و تمدن کے لئے معیوب اور اسلامی اقدار کے خلاف ایک چیلنج سمجھتے تھے اور انھوں نے اس پر پابندی لگا کر اس جرم کی سزا قصاص مقرر کی تھی۔ چنانچہ حضرت عمر بن الخطاب رض کے بارے میں روایت ملتی ہے کہ وہ تشبیب کرنے والے شاعر کو زد و کوب کیا کرتے تھے۔ جرجی زیدان، تاریخ آداب اللغۃ العربیۃ (بحوالہ الاغانی ج ۴ ص ۹۸) ج ۱ ص ۲۴۴

لیکن بنو امیہ کے ہاتھوں میں حکومت آنے کے بعد، جبکہ ان کا دار السلطنت مدینہ سے دمشق

منتقل ہو گیا اور دوسری اقوام سے ان کا اختلاط بڑھا تو گویا کہ وہ اب ترقی کی نئی راہوں پر گامزن ہو گئے اور ان میں غیر ملکی اثرات سرایت کرنے لگے جس کے نتیجہ میں ان کے دلوں سے عفت و عصمت کی وقعت گھٹتی چلی گئی۔ ادہر حکومت کی طرف سے بھی اس قسم کی سختی نہ کی گئی جیسی کہ خلفائے راشدین کے زمانہ میں تھی اس لئے تشبیب کرنے میں ان کو کھلی چھوٹ مل گئی اور انھوں نے کھلم کھلا عشقیہ اشعار کہنے شروع کر دیے۔

غزل: اس دور کی غزلیہ شاعری نہ صرف اسلوب اور غنائیت میں مختلف ہے بلکہ اس کی معنوی صورتوں اور موضوعات میں بھی کسی حد تک تبدیلی ہوئی۔ اب اس میں کھنڈرات سے تشبیب، اور ٹیلوں و خرابات پر رونے دھونے کے بجائے عشق و محبت کے اندرونی احساسات اور داخلی کیفیات کا بھی تذکرہ ہونے لگا۔ معاشرہ میں عورت کو مکمل آزادی حاصل تھی اور اب وہ مردوں کے دوش بدوش زندگی گزار رہی تھی، اس اختلاط سے پیدا شدہ اندرونی احساسات نے ان کو غزل میں عورتوں سے تشبیب کرنے پر آمادہ کر دیا۔ اس سلسلہ میں کئی مکاتب فکر قائم ہوئے جن میں اباحی، تقلیدی اور عذری مشہور اسکول ہیں۔

(الف) اباحی:۔ اباحی وہ تحریک تھی جس کے شعراء اپنے عشق و محبت کی داستان غزلیہ اشعار میں ڈھالنے کے عمل میں ادب و تہذیب کا دامن چھوڑ دیتے ہیں۔ ان کے یہاں سرور انبساط کی بھرمار ہے اور عورت اپنی ساری عصمت و عفت کھو بیٹھتی ہے، اس میں وقار اور رکھ رکھاؤ نام کی کوئی چیز نہیں رہ جاتی۔ اس تحریک کے نمائندہ شعراء میں عمر ابن ابی ربیعہ مخزومی (م ۹۳ھ) احوص اور عرجی کے نام آتے ہیں۔ عمر ابن ابی ربیعہ مخزومی اپنی ساری توجہ صرف عورتوں سے تشبیب پر مرکوز کر دیتا ہے اور اپنی شاعری میں اخلاقی حدود سے بھی آگے بڑھ جاتا ہے۔ اس کے بارے میں ابن جریج کا قول ہے: "معزز خواتین کے حرم میں ابن ابی ربیعہ کی شاعری سے زیادہ نقصان دہ کوئی چیز نہیں در آئی" ہشام بن عروہ کہتے ہیں: "اپنے نوجوانوں کو عمر ابن ابی ربیعہ کے اشعار مت سناؤ، مبادا وہ بدکاری کی راہ اختیار کر لیں"۔ وہ نہ صرف اپنی محبوبہ سے تشبیب

کرتا ہے بلکہ ہر خوبصورت عورت حتیٰ کہ دوشیزاؤں تک کو نہیں بخشتا۔ اپنے جذبات شوق و عشق کے اظہار، شکوہ و شکایت اور محبوب سے ایک نظر کرم کی امید جیسے مضامین کے علاوہ اپنے اشعار میں اس نکتہ کا بھی اظہار کرتا ہے کہ نوجوان اور حسین عورتوں کے قلوب اس کے عشق و محبت کی آگ میں سلگ رہے ہیں اور اس کی ایک نظر کرم کی امیدوار ہیں۔ موسم حج پر آنے والی خوبصورت عورتوں کو دیکھ کر بھی وہ باز نہیں آتا اور اپنی فطری شوخی پر اتر آتا ہے۔

دوسرا شاعر احوص (عبداللہ بن محمد بن عبداللہ اوس م ۱۰۵ھ) ہے۔ اس نے بھی عمر بن ابی ربیعہ کی طرح عشقیہ اشعار کہنے میں اپنی زندگی صرف کر دی۔ اپنے اشعار میں وہ اپنے شوق و عشق کے اندرونی احساسات اور قلبی کیفیات کا بغیر کسی جھجک کے اظہار کرتا ہے۔ نہ صرف یہ، بلکہ وہ عشق و محبت کی زندگی ہی کو ساری زندگیوں پر ترجیح دیتا ہے: ؎

إذا انت لم تعشق ولم تدر ما الهوى

فكن حجراً من يابس الصخر جلمدا

اس کے یہاں محبت ہی زندگی ہے اور جو اس نکتہ سے واقف نہیں وہ مثل مردہ کے ہے بلکہ جمادات میں سے ایک پتھر ہے۔ ام جعفر انصاریہ سے اس کی تشبیب مشہور ہے۔

عبداللہ بن عمر بن عمرو بن عثمان، عرجی نے بھی عمر ابن ابی ربیعہ کی طرح غزلیہ شاعری میں اپنے جوہر دکھائے ہیں۔ یہ ماہر شہسوار بھی تھا۔ اس نے محمد بن ہشام کی ماں جیدا کے نے محض اس بنا پر تشبیب کہی کہ اس کے بیٹے کو ذلیل و رسوا کرے۔ اس کے اشعار میں بے حیائی کا عنصر غالب ہے ؎

قالت رضيت ولكن جئت في قمر

هلا تلبثت حتى تدخل الظلم

(اس نے کہا ٹھیک ہے، میں راضی ہوں۔ لیکن ذرا ٹھہرو۔ اندھیرا ہونے دو، ابھی تو چاندنی پھیلی ہوئی ہے)

(ب) عشق عذری :- دوسرا اسکول عذری تھا۔ اس کے شعراء اپنے غزلیہ اشعار میں

تقدس اور عصمت وعفت کو ہمیشہ مدِ نظر رکھتے۔ ان کے یہاں پاک محبت کا اظہار اور مادی آلائشوں سے پاکیزگی کا عنصر غالب ہے۔ قلبی خلوص اور بے لوث محبت کے ساتھ رومانیت کی کرنیں پھوٹتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ عورت اپنی پوری پاکدامانی کے ساتھ عصمت وعفت کی دیوی کی صورت میں نظر آتی ہے۔ شاعر اپنے قلبی جذبات اور اندرونی احساسات کا اظہار تہذیب کے دائرہ میں رہ کر کرتا ہے۔ منفی جذبات — جو بے حیائی کو دعوت دیتے ہیں — سے گریز کرتے ہوئے حقیقی اور سچی محبت کے احساسات کو اشعار میں اس طرح سمویا گیا ہے کہ اضطراب کے بجائے یک گونہ سکونِ قلب کا احساس ہونے لگتا ہے۔ ان اشعار کو اگر کوئی دوشیزہ پڑھتی ہے تو اس کا چہرہ تمتما نہیں اٹھتا۔ ان شعراء کے یہاں عشقِ مجازی کی وہ منزل نظر آتی ہے جہاں سے عشق حقیقی کی راہ ملتی ہے۔

جمیل بن عبداللہ بن معمر عذری شعراء میں سب سے زیادہ فصیح اور بہترین اشعار کہتا ہے۔ اس کے عشقیہ اشعار اپنی چچازاد بہن بثینہ کی تشبیب میں اتنے متاثر کن اور فطری لب ولہجہ میں ہیں کہ بے اختیار دل سے واہ نکل جاتی ہے۔ یہ دونوں بچپن سے ایک ساتھ رہنے کی وجہ سے ایک دوسرے کو پسند کرنے لگے تھے۔ آہستہ آہستہ اس قلبی تعلق میں پختگی آتی گئی لیکن ان دونوں کا یہ آپسی تعلق مادیت سے پاک صاف ستھرا اور سچے قلبی احساسات وجذبات پر مبنی تھا۔ ان میں ایک دوسرے کے لئے ایثار، خلوص اور محبت کے وہ جذبے موجزن تھے کہ ان کے آپسی تعلقات میں روحانیت کا رنگ جھلکنے لگا جس نے "جمیل" اور "بثینہ" کو سیل بثینہ کر دیا۔ بدقسمتی سے بثینہ کے باپ نے جمیل کی خواستگاری کو ٹھکراتے ہوئے اس کی شادی نبیہ نامی ایک نوجوان سے کر دی۔ ایسا ہوتا تھا کہ جمیل کو اپنا وجود بیکار محض لگنے لگا، اس کی نظروں میں دنیا اندھیری ہو گئی۔ اندر ہی اندر گھٹن کا احساس اس کو مضطرب رکھنے لگا۔ وہ اپنی ناکامی پر ہاتھ ملتا رہ گیا اور آہستہ آہستہ اس تپش اور سوزش سے وہ سلگنے لگا: ؎

فلا تقتلین یا بثین فلما اصب   من الأمر ما فیہ یحل لکم قتلی

(اے بثینہ! مجھے موت تو نہ مار، ذرا میرا جرم تو بتادو، میں نے ایسا کون سا جرم کیا ہے کہ تم سب کے لئے میرا قتل جائز ہوگیا)۔ اپنے قلبی کیفیات و احساسات کا اظہار کس ندرت سے کرتا ہے ؎

یموتُ الھوی منّی إذا ما لقیتُھا ویحیا إذا فارقتھا یعود

(جب اس سے ملتا ہوں تو جذباتِ شوق سرد پڑ جاتے ہیں اور جب اس سے جدا ہوتا ہوں تو وہی جذبات مجھ پر پھر حملہ آور ہو جاتے ہیں)۔

اس نے غزلیہ شاعری کو ایک فن کی صورت میں پیش کیا ہے، بثینہ کی تشبیب میں اس کے غزلیہ اشعار میں اتنی ندرت اور اثر انگیزی ہے کہ دوسرے شعراء اس کی خوشہ چینی کرنے لگے۔ شعراء و ادباء نے اس کو امام محبین کے لقب سے نوازا ہے۔ اس نے جذبۂ صادق کو اس بیساختگی اور اچھوتے پن سے پیش کیا ہے کہ غم جاناں، غم دوراں بن جاتا ہے۔ شکوہ و شکایت کے سطحی انداز سے گریز کرتے ہوئے درد و کرب میں ڈوب کر جب وہ شعر کہتا ہے تو ہر دل رو اٹھتا ہے۔ اس کے طرز تشبیب کو شعراء نے اتنا پسند کیا کہ نہ صرف اسلوب میں اس کی تقلید کرنے لگے بلکہ اس کی "بثینہ" ہر شاعر کی مستعار محبوبہ ہو گئی۔

فلپ، کے حتّی اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ

Jamil, stood for pure and innocent love of the platonic type. Jamil's verses, all addressed to his sweet heart Buthayna who belonged to the same tribe, breath a spirit of tenderness unparallelled in that age.

(باقی آئندہ)